

شرط  
Pkpaf.Blogspot.Com

زیست کی بساط پر جان کی بازی لگانے والے ایک کھلاڑی کی روداد

Pkpaf.Blogspot.Com



**PakDigestNovels.Com** کو پسند کرنے کے لئے آپ

سب کا بہت بہت شکریہ! ہماری ویب سائٹ کا مقصد علم و ادب کی ترقی و ترویج ہے۔ جیسا کہ آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ کتابیں پڑھنے کا شوق دن بدن کم سے کم تر ہوتا جا رہا ہے۔ اس امر کی کئی وجوہات ہیں لیکن سب سے بنیادی وجہ کتابوں کی بڑھتی ہوئی قیمتیں ہیں۔ ہمارا اولین مقصد عوام الناس کو اعلیٰ کتابیں اور وہ بھی مفت فراہم کرنا ہے۔ امید ہے آپ سب ہمارے اس عظیم مقصد کی تائید کرتے ہیں۔

کتابوں کی قیمتوں کی وجہ سے اگر آپ کو خریدنے کے بعد کتاب پسند نہیں آتی تو آپ کا اس سے مالی نقصان بھی ہو گا ہمارا مقصد یہی ہے کہ اگر آپ کو ہماری ویب سائٹ سے کوئی کتاب پسند آتی ہے تو اسٹر کو اس کا حق ضرور دیں اور کتاب خرید کر اپنی لائبریری کی زینت بنائیں۔

ہم **PakDigestNovels.Com** آپ کو نیٹ کی وسیع دنیا سے ہر قسم کی کتابیں فراہم کرتے

ہیں۔ ہم بلا معاوضہ آپ کی اور علم و ادب کی یہ خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔

اس کے جواب میں ہم آپ سے درج ذیل باتوں کی توقع کرتے ہیں۔

۱۔ برائے مہربانی **PakDigestNovels.Com** کا نام اچھی طرح ذہن نشین

کر لیں۔ تاکہ اگر کسی وجہ سے سائٹ گوگل میں نہ بھی ملے تو با آسانی ہماری سائٹ تک پہنچ سکیں۔

۲۔ اگر کوئی کتاب پسند آئے تو اسے Share ضرور کریں تاکہ اور دوست احباب بھی اس سے

مستفید ہو سکیں۔







وای کو پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا۔

میں نے کرائے کی کار کچھ قافلے پر کھڑی کی اور باڑ کی طرف چل دیا۔ وہاں ایک گیٹ لگا ہوا تھا۔ میں چند گز پیچھے ہٹا، دوڑتے ہوئے چھلانگ لگا لی اور باڑ کے دوسری طرف جا کر ا۔ وہ پگڈنڈی پہلے کے مقابلے میں پھیل گئی تھی اور عمو دی ڈھلان کی شکل میں اوپر جا رہی تھی۔ آگے جا کر یہ ایک ہموار سطح پر ختم ہو گئی۔ میں نے ایک درخت سے ٹیک لگا لی اور وہاں کا نظارہ کرنے لگا۔ میرے سامنے ایک دلدل تھی جو تقریباً سو گز تک چلی گئی تھی۔ داسنے ہاتھ پر ایک عمو دی اور تنگ اونچائی تھی۔

میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ میری یادداشت سے دلدل نکل گئی اور اس کی جگہ ایک بہت چوڑی اور گہری مڑو کہ پتھر کی کان نے لی۔ کسی زمانے میں اس کان سے نکالے ہوئے پتھر بنیادوں، پلوں اور عمارتوں کی تعمیر میں استعمال ہوتے تھے۔ جب پتھر نکالنے کا کام رک گیا تو سیلاب اور بارش کے پانی نے اس گڑھے نما کان کو بھر دیا اور یہ ایک مشکل پھیل گئی شکل اختیار کر گئی۔ اس طرح یہ جگہ نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کے لیے باسٹ کشش بن گئی جو یہاں تیرتے اور غوطے لگاتے تھے۔

وہاں چھلانگ لگانے کے لیے تین مقامات تھے۔ سب سے نیچے والا چھپا پانی کی سطح سے دس فٹ اوپر تھا اور روک، کہلاتا تھا۔ اس سے اوپر والا بیش تیس فٹ اونچا اور تیسرا کنگ، تقریباً تیر فٹ کی بلندی پر تھا۔ کوئی بہادروں کا بہادری وہاں سے چھلانگ لگانے کے بارے میں سوچ سکتا تھا۔

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ اب وہاں دلدل، درختوں، پتھروں اور یادوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ پھر مجھے اپنے عقب میں قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ میں نے مڑ کر دیکھا، ایک پولیس آفیسر میری طرف آ رہا تھا۔ اس کی عمر اٹھائیس یا آٹھیس سال ہوئی۔ اس کی پٹنی میں ریوا اور جھول رہا تھا اور اس کے سینے پر نام کی پلیٹ لگی ہوئی تھی جس پر سائمن لکھا ہوا تھا۔

”تم نے پارکنگ لاٹ کے ساتھ لگا ہوا بورڈ نہیں دیکھا جس پر لکھا ہوا ہے، داخلہ منع ہے۔ ایسا ہی ایک بورڈ باڑ کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے۔“

”نہیں، میں نے ان پر غور نہیں کیا۔“  
وہ کھیٹا ہوتے ہوئے بولا۔ ”واقعی..... ویسے تم یہاں کیا کر رہے ہو؟“

”میں یہاں پلا بڑھا ہوں۔“ میں نے دلدل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا۔ ”میں بچپن میں یہاں آیا کرتا تھا۔ پہلے یہاں ایک چھیل تھی، جس میں ہم سب تیرتے اور غوطے لگاتے تھے۔“

اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”اس کے علاوہ غیر قانونی شراب نوشی، بلا لٹائیاں اور دوسری غیر اخلاقی حرکتیں بھی ہوا کرتی تھیں..... اور تو کوئی کشش نظر نہیں آتی۔“  
میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”دو ہاتھ کشش کا باعث تھیں۔ پچھلی تو یہ کہ بہت زیادہ گرم موسم میں تیراکی کے لیے یہ قریب ترین جگہ تھی ورنہ بس یا کسی سواری میں بیٹھ کر کاؤنٹی پول چلنا پڑتا جو یہاں سے آدھ کھٹنے کی مسافت پر ہے۔“

”اور دوسری دچھی؟“  
”یہ ممنوع قرار دے دی گئی تھی۔“  
”میں سمجھ گیا۔“ اس نے جواب دیا۔ ”اور آج تم یہاں وہی دیکھتے آئے ہو۔“

”ہاں، تم ٹھیک کہہ رہے ہو، میں صرف یہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ بھرائی کے بعد یہ جگہ کیسی لگ رہی ہے۔“  
سائمن نے دائیں بائیں دیکھ کر کہا۔ ”تم اس وقت نہیں تھے جب اس کی بھرائی ہو رہی تھی؟“

”نہیں، میں ریاست سے باہر تھا اور تم؟“  
اس نے کندھے اچکا تے ہوئے کہا۔ ”میں اس وقت بہت چھوٹا تھا۔ بس اتنا یاد ہے کہ یہاں کوئی بہت بڑا واقعہ پیش آیا تھا اور اس کے بعد ڈیڑھ گھنٹوں کے اندر بھرنا شروع کر دیا۔ کیا یہ سچ ہے؟“

”ہاں، یہاں ایک بہت ہی بڑا واقعہ ہوا تھا۔“  
”لگتا ہے کہ یہ کوئی دردناک کہانی ہے، کیا تم کچھ بتانا پسند کرو گے؟“  
”ضرور۔“ اگر تمہارے پاس وقت ہے۔“

اس نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ ”اس قہقے میں جراثیم برائے نام ہیں، اس لیے ہمارے پاس وقت ہی وقت ہے۔“  
”میرا نام ہینک میکیلر ہے۔ اس وقت میں سترہ سال اور میری بہن کا رابندرہ سال کی تھی۔ سچی ایک روز یہ انکشاف ہوا کہ وہ کسی لڑکے سے راہ درم بڑھا رہی ہے۔ رات کے کھانے پر ماں نے اس سے پوچھا کہ وہ ڈیوی کون سے کیوں لٹی ہے۔ کیا اسے معلوم نہیں کہ وہ کتاب برا لڑکا ہے۔ اس نے ہماری پلیٹوں میں آلو کے ٹپس اور ہمبرگ اسٹیک ڈالتے ہوئے کہا۔“

”وہ..... اس کا باپ بیٹرک اور چچا بھی سب ہمدشا ہیں، جنہیں اس سے دور رہنا چاہیے۔“

کارا نے میری طرف دیکھا لیکن میں نے اپنی نظریں پلیٹ پر جمادیں۔ میں اس معاملے میں نہیں پڑتا چاہتا تھا۔ کارا بولی۔ ”رہنے دو، وہ اتنا برا بھی نہیں ہے بلکہ میرا تو بہت خیال رکھتا ہے۔“

ماں دن بھر کی کھٹی ہوئی تھی۔ اس لیے کرسی پر بیٹھ گئی۔ ڈیوی کی کرسی گزشتہ آٹھ برس سے خالی تھی۔ اس نے اپنی رانوں پر ٹینکین رکھتے ہوئے کہا۔ ”جنہیں احتیاط کرنی چاہیے۔ اگر وہ تمہارا خیال رکھ رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ تم سے کچھ چاہتا ہے۔“

کارا نے مصحوبیت سے پوچھا۔ ”اس بات سے تمہارا کیا مطلب ہے؟“  
ماں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ”تم جانتی ہو کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔ ان دنوں تم جس طرح کا لباس پہن رہی ہو، اگر تمہارا باپ زندہ ہوتا.....“

ایک وقت تھا کہ یہ الفاظ سن کر میں اور کارا خاموش ہو جاتے بلکہ کارا کی تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تھے لیکن اب بہت کچھ بدل گیا تھا۔ وہ بڑی ہو گئی تھی اور اس نے.....  
پندرہ لاکھ اپنا شروع کر دیا تھا بلکہ وہ ماں سے بھی زبان چلانے لگی تھی۔ اسی لیے میں اس سے دور رہنے کی کوشش کرتا کہ میں اس کا بڑا بھائی تھا لیکن وہ مجھے بھی نظر انداز کرتے تھی۔

کھانا ختم ہونے کے بعد میں پلیٹیں اٹھانے میں ماں کی مدد کرنے لگا۔ اس نے ایک باہر جا کر اسے کہا۔ ”تم اس لڑکے سے دور رہو، سمجھ گئی؟“

کارا بتاتی انداز میں مسکرائی اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ماں اور میں برتن دھونے لگے۔ جب میں انہیں ٹھیک کر رہا تھا تو گھر کے باہر کلو کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ کارا کمرے سے نکلی اور دروازے کی طرف جاتے ہوئے بولی۔ ”پاپے مام امیں دیر سے آؤں گی۔“

”یہ لڑکی.....“ ماں اپنے ماتھے پر ہاتھ مار رہے تھے۔ بولی۔ ”اگر تمہارا باپ زندہ ہوتا تو اس کی مجال نہ تھی۔“  
”مگر اس طرح گھر سے باہر جاتی..... یہ لڑکا تمہارے اسکول لٹا ہے۔ کیا تم کچھ نہیں کر سکتے؟“

میں خاموشی سے پلیٹ صاف کرتا رہا۔ سوچ رہا تھا کہ اس وقت میں اپنے بیڑوم میں کوئی کتاب پڑھتا یا.....  
”خدا کے واسطے میرا بیٹھا چھوڑ دو ہینک۔“ یہ کہہ کر اس نے

”ہینک؟“ ماں میرے جواب کی منتظر تھی۔  
”مام..... وہ اسکول کے دوسرے حصے میں ہے، شاید مکینیکل آرٹس یا ای طرح کا کوئی مضمون ہے۔ میں اسے زیادہ نہیں جانتا۔“

”جنہیں کچھ کرنا چاہیے۔“ وہ دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔ ”تم اس کے بڑے بھائی ہو۔ جنہیں اپنی چھوٹی بہن کی نگرانی کرنی چاہیے۔“

اس رات میں نے اپنے کمرے میں کتاب سے دل بہلانے کی کوشش کی پھر بیڈ بولنگ یا لیکن دونوں میں سے کوئی بھی چیز میری توجہ حاصل نہ کر سکی۔ میری نظریں کتابوں کے شوکیں پر رہی ایک تصویر پر تھیں۔ یہ میرے ڈیوی کی تصویر تھی جو 1973ء میں لی گئی تھی وہ فوج میں سارجنٹ تھے اور ان کی تعیناتی سائیکا ڈون میں تھی۔ اس تصویر کے لیے جانے کے چند ہفتوں بعد وہ اپنے دوست کے ساتھ گشت پر گئے کہ ان کا پاؤں ایک بارودی سرنگ پر پڑا۔ وہ موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے۔

میرے ذہن میں ان کی کچھ یادیں تھیں۔ جب میں شب بھر کہنے کے لیے ان کے گالوں کا بوسہ لیتا تو ان کی ڈاڑھی کے بال مجھے جیسے لگتے۔ ان کے پاپ کے تمباکو کی خوشبو مجھے اچھی لگتی تھی۔ جاتے وقت انہوں نے مجھے اپنے بازوؤں میں لے کر کہا تھا۔

”ہینک اب تم بڑے ہو گئے ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم اپنی ماں اور بہن کی مدد کرو گے۔ کیا تم میں پر بھر دسا کر سکتا ہوں؟“

مجھے یاد نہیں کہ میں نے کیا جواب دیا تھا لیکن اب ان کی تصویر دیکھتے ہوئے بے ساختہ میری زبان سے نکلا۔  
”ڈیوی! تم مجھ پر بھر دسا کر سکتے ہو۔“

میں اس وقت جاگ رہا تھا جب میں نے اپنی بہن کے قدموں کی آواز سنی۔ ماں کا بیڑوم نکلی اور ہمارا دوسری منزل پر تھا۔ میں نے دروازہ کھولا اور بولا۔ ”کیا مام کو معلوم ہے کہ تم کتنی دیر سے آئی ہو؟“

وہ مجھے گھورتے ہوئے بولی۔ ”تم مجھ پر ٹھک کر رہے ہو؟“ اس کے سنہری بال بے ترتیب ہو رہے تھے اور اس کی چٹون پر مٹی لگی ہوئی تھی۔

”نہیں۔ میں تم پر ٹھک نہیں کر رہا۔“ میں نے کہا۔  
”لیکن مام ٹھیک ہی کہتی ہیں۔ جنہیں ڈیوی سے دور رہنا چاہیے۔“  
کارا اپنے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔  
”خدا کے واسطے میرا بیٹھا چھوڑ دو ہینک۔“ یہ کہہ کر اس نے



زور سے دروازہ بند کر دیا۔

اگلے دن میں اپنی سائیکل پر پتھروں کی کان کی طرف گیا جو اب ایک جھیل میں تبدیل ہو چکی تھی۔ گرمی کا موسم تھا۔ میں نے نہانے کا لباس اور سیاہی نثر پہن رکھی تھی اور ایک تولیا میرے کندھے پر بڑا ہوا تھا۔ میں نے اپنی سائیکل ایک درخت کے ساتھ لگائی اور چمڑی پر چلتا ہوا پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گیا۔

وہاں تقریباً تیس کے قریب لڑکے لڑکیاں موجود تھے۔ ان میں سے زیادہ تر کوش میں جاتا تھا۔ وہ میرے محلے یا اسکول سے تعلق رکھتے تھے۔ دولہے چیتے چلاتے بپش تک گئے اور انہوں نے جھیل میں چھلانگ لگا دی۔ یہ دیکھ کر میرے پیٹ میں مروڑ اٹھنے لگے۔ مجھے تو روک سے چھلانگ لگانا بھی مشکل لگتا تھا۔ میں نے بھی بپش سے چھلانگ لگانے کے بارے میں نہیں سوچا تھا جبکہ کنگ جس کی اونچائی ستر فٹ تھی، مجھے مائوٹ ایئر سٹ کے مانند لگتی تھی۔

میں جھیل کے آخری سرے پر چلا گیا۔ وہاں بچوں نے جھولا جھولنے کے لیے ایک درخت میں ری لٹا رکھی تھی۔ میں نے ایک نیلے پرانا تولیا رکھا۔ جوتے اتارے اور پانی میں اتر گیا۔ میں ایک اچھا تیراک ضرور تھا لیکن اونچائی سے غوطہ لگانا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ چند مرتبہ میں نے روک سے چھلانگ لگانے کے بارے میں سوچا جس کی اونچائی صرف دس فٹ تھی لیکن میری ٹانگیں کپکپانے لگیں اور مجھے چھلانگ لگانے کے لیے کافی قوت لگتی پڑی لیکن جھیل کے پانی کی ہموار سطح پر تیرتے ہوئے مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہوتا تھا۔

میں نے دو چکر لگانے کے بعد وقفہ لیا۔ اسی وقت میرے کانوں میں ہونٹنگ اور شور پچانے کی آوازیں آئیں۔ میں نے جھیل کے کنارے پر دیکھا۔ ڈیوٹی کون اس طرح چلتا ہوا آ رہا تھا جیسے وہ اس جگہ کا مالک ہو۔ اس نے نیلے رنگ کی جینز اور جوتے پہن رکھے تھے جبکہ اس نے قمیض اتاری ہوئی تھی۔ اس کے دونوں بازوؤں پر ریٹوینے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ تین لڑکے اور بھی تھے۔ وہ سگریٹ پی رہا تھا اور اس کا ایک بازو میری بہن کے کندھے پر تھا۔

اس نے اسے اپنے قریب کر لیا جیسے وہ اس کی ملکیت ہو۔ اس نے سگریٹ کا ایک طویل کش لیا اور کارا کے منہ پر دھواں چھوڑ دیا۔ پھر اس نے جھک کر کارا کا بوسہ لیا۔ اس نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی تو ڈیوٹی نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ گوکہ وہ فاصلے پر تھا اس کے باوجود اس کی

شرمنگ حرکت دیکھ کر میرا گلہ خشک ہو گیا۔

میں تیرتا ہوا وہاں اس جگہ گیا جہاں میں نے اپنا تولیا رکھا تھا۔ جسم کو خشک کرنے کے بعد میں نے قمیض اور جوتے پہنے۔ میں نے محسوس کیا کہ فضا کچھ بدلی ہوئی ہے۔ زیادہ تر لوگ وہاں سے چائے پیتے تھے۔ شاید وہ ڈیوٹی اور اس کے ساتھیوں سے دور رہنا چاہ رہے تھے۔ البتہ دولہے کے اس کے ساتھ شامل ہونے کے لیے اس کے قریب گئے لیکن اس نے انہیں منہ نہیں لگایا۔

جب میں اس کے قریب پہنچا تو کارا نے مجھے دیکھ کر اپنا ہاتھ اوپر اٹھا یا جیسے مجھے وہاں بھیجنا چاہ رہی ہو۔ ”ہنک“ اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا کہ ڈیوٹی نے مجھے پلٹ کر دیکھا۔

”ہائے“ اس نے پتہ آواز بلند کہا۔ ”بڑا بھائی بھی تمناشا دیکھنے کے لیے رک گیا ہے۔ تم پھر مارکیٹ پر کام کرتے ہو۔ ایک چمڑے پر میرا سامان بھی پہنچا دو۔“ میں نے اپنا منہ بند کر رکھا۔ مجھے یوں لگے جیسے میں وہاں موجود ہی نہیں ہوں۔ ڈیوٹی نے مجھے چمڑے کے لیے کہا۔ ”اور کیا ہو رہا ہے بڑے بھائی؟“

میرا سینہ سخت ہو گیا۔ میں ڈیوٹی کو اسکول سے جاتا تھا لیکن ہماری کلا میں الگ الگ تھیں اور ہم کسی جگہ بھی ساتھ نہیں رہے۔ وہ میرے محلے میں نہیں تھا اور میری کسی سرگرمی میں شریک نہیں ہوتا تھا اور میں بھی اس سے دور رہ کر خوش تھا۔

”ڈیوٹی“ میں نے کہا۔ ”ہائے۔ بڑا بھائی میرا نام بھی جانتا ہے۔ مبارک ہو۔“ اس نے کہا۔

”ہاں، جانتا ہوں۔“ میں نے تھوک نلکتے ہوئے کہا۔ ”تمہارے بارے میں میں اور بھی بہت کچھ جانتا ہوں۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ میری بہن کا کچھ چھوڑ دو۔“

اس کے دونوں سامنے بڑبڑی سے ہنسنے لگے۔ ڈیوٹی نے بھی ان کا ساتھ دیا اور اس کی گرفت میری بہن کے گرد سخت ہو گئی۔ کارا انفرس جھکا کر زمین کی طرف دیکھنے لگی۔ ”تمہاری بہن کو چھوڑ دوں۔ کیوں؟ اچھا اسی سے پوچھ لیتے ہیں کہ یہ کیا چاہتی ہے۔“

اس نے کارا سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ”کیا تم چاہتی ہو کہ میں تمہیں چھوڑ دوں؟“

”نہیں ڈیوٹی۔“ کارا نے آہستہ سے کہا۔

”دیکھ لیا؟“ اس نے فخریہ انداز میں کہا۔ ”ہیں

اہں میں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ سوائے تمہاری موجودگی کے۔ اس لیے یہاں سے چلے جاؤ۔“

میں نے سختی سے کہا۔ ”نہیں۔“

ڈیوٹی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے ہنسنا انداز میں کہا۔ ”واقعی؟ تم میرا کیا بکاؤلو گے؟“

اس کے دونوں ساتھی زور زور سے ہنسنے لگے۔ میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ”ڈیوٹی! میں چاہتا ہوں کہ تم۔“

اس نے میری بات کاٹ دی اور بولا۔ ”میں نے کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔“

میرا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔ شاید اس نے بھی یہ بات نوٹ کی ہوگی۔ ابھی ایک چھوٹا پتھر اٹھا کر میری طرف پھینک دیا جو میری چھاتی پر آ کر لگا۔

میں خاموش کھڑا رہا۔ کارا نے اپنا منہ دوسری طرف کر لیا۔

ڈیوٹی نے ایک اور پتھر مارا۔ ”میں کہتا ہوں کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ اس سے پہلے کہ میں تمہیں واقعی ڈھی کر دوں۔“

چنانچہ میں وہاں سے چلا آیا۔ رات گئے کارا میرے گھر سے آئی اور کم از کم پانچ منٹ تک مجھ سے لڑتی رہی۔ اس نے میرے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے کہ اگر میں اس لڑکی کو اس کا گھر سے لگانا نہ ہو جاتا۔ جب وہ سانس لینے کے لیے رکی تو میں نے پوچھا۔

”تمہاری آنکھ کو کیا ہوا؟“

اس نے اپنی آنکھ پر آنگلی پھیری اور بولی۔ ”کچھ نہیں۔“

”کچھ تو ہوا ہے۔ جیسی یہ آنکھ سوچی ہوئی ہے۔“

”اگر کچھ ہوا ہے تو اس کی وجہ تم ہو۔ تمہیں ایسے معاملے میں دخل نہیں دینا چاہیے جس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ لہذا مجھے اور ڈیوٹی کو تمہارا چھوڑ دو۔“

”کارا۔۔۔۔۔۔ میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن وہ میری بات

ہو گیا۔ میں نے اپنی سائیکل اسٹینڈ پر کھڑی کی جہاں مجھ جیسے دوسرے غریب لڑکوں کی سائیکل کھڑی ہوتی تھیں۔ مجھے ایک خالی جیر یا ٹاٹو میں اپنے گائیڈنس کو سلاسر ڈو فائزر کے پاس چلا گیا۔ وہ درمیانی عمر کا فیشن ایبل شخص تھا اور اس کے دروازے طالب علموں کے لیے ہر وقت کھلے ہوئے تھے۔

اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ”تمہیں دیکھ کر خوشی ہوئی۔ کیا سمسٹر ختم ہونے سے تمہارا تیراکی ٹیم میں شامل ہونے کا کوئی امکان ہے؟“

”شاید نہیں۔“ میں نے کہا۔ ”میں اسکول کے بعد سپر مارکیٹ میں کام کرتا ہوں۔ میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔“

وہ منہ ہناتے ہوئے بولا۔ ”یہ تو بہت بری بات ہے۔ تم جیسے تیراک کو تو ٹیم میں شامل ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ خیر بتاؤ، میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟“

میں نے اسے پورا قصہ سنا دیا کہ کس طرح میری بہن نے ایک بڑی عمر کے لڑکے سے ڈینگ شروع کی اور اب اس نے اسے مارنا شروع کر دیا ہے۔ میری بہن اور میں دونوں اس سے خوفزدہ ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ کیا کروں۔

مسٹر فائزر ایک کاغذ پر سب باتیں نوٹ کرتے رہے اور جب میں نے اپنی بات ختم کی تو وہ بولے۔ ”مجھے خوشی ہے کہ تم میرے پاس آئے۔ یہ سب ناقابل پروا اشت ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ تمہاری بہن کو تنگ کرے۔ کیا وہ یہاں پڑھتا ہے؟“

میں نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ بولے۔ ”اس کا مطلب ہے کہ ہم پولیس کی مدد لے سکتے ہیں اور اسکول انتظامیہ سے بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس لڑکے کے ساتھ اتنی سختی کرے کہ وہ خوفزدہ ہو کر تمہاری بہن کا کچھ چھوڑ دے۔“

یہ سن کر میں پُر سکون ہو گیا۔ اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا اور کارا بھی اس کے چنگل سے آزاد ہو جائے گی اور میرے ڈیڑی کی روح کو بھی سکون مل جائے گا۔

اس نے مزید کچھ نوٹ لینے کا ارادہ کیا اور بولا۔ ”تمہاری بہن کا نام کیا ہے؟“

”کارا این بیکر۔“

”قابلاً بدہ دوسرے سال میں ہے؟“

”ہاں۔“

”اس کے بوائے فرینڈ کا نام کیا ہے جو اسے مارتا ہے؟“



”ڈیوی کولن۔“  
اس کا کلم چلتے چلتے رک گیا۔ ”ڈیوی کولن؟“  
”ہاں۔“

”اس کے باپ کا نام پیٹرک کولن ہے؟“  
”ہاں۔ یہی اس کے باپ کا نام ہے۔“  
فاؤڈر نے ایک غنڈی سانس بھری اور کلم میز پر رکھ دیا بھر وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔  
”معاف کرنا ہینک..... میں نہیں سمجھتا کہ اس معاملے میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں گا۔“

”وہ کیوں؟“ میں نے پوچھا۔ ”ابھی تم نے کہا تھا کہ پولیس بلا سکتے ہو اور انتقامیہ سے کہہ کر اس پر دباؤ ڈال سکتے ہو کہ وہ میری بہن کا چچا چھوڑ دے۔“

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ بولا۔ ”اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ کون ہے۔“

”یہ ٹھیک نہیں ہے۔ تم نا جائز کر رہے ہو۔“  
مسٹر فاؤڈر نے کہا۔ ”تم جانتے ہو کہ اس کا باپ کیسا آدمی ہے اور وہ کیا کر سکتا ہے؟“

مجھے فاؤڈر پر غصہ آ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ ”میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ تم ہی بتا دو کہ وہ کیا آدمی ہے؟“

اس نے ایک سرد آدھ بھرتے ہوئے کہا۔ ”وہ کولن لیکوڑ کا مالک ہے۔ بظاہر یہ شراب کا کاروبار ہے لیکن اس کی آڑ میں وہ دوسرے غیر قانونی کام بھی کر رہا ہے جن میں منشیات کی پلائی اور سود کا کاروبار بھی شامل ہے۔ اس نے اپنی ایک چھوٹی سی سلطنت قائم کر رکھی ہے۔ اسے تم بالکل بھی کہہ سکتے ہو۔ کیا تم نے بھی اس کے بارے میں اخبار میں نہیں پڑھا؟“

میں نے جھلاتے ہوئے کہا۔ ”میں محض ایک طالب علم ہوں اور اپنی بہن کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس اخبار پڑھنے کے لیے وقت نہیں ہے۔“

”پھر تم اس کام کے لیے وقت نکالو اور ڈیوی کا کوئی بندوبست کرو۔ تم پولیس کے پاس بھی جا سکتے ہو لیکن اگر وہ کچھ نہ کریں تو جبران مت ہوتا۔ اس کے باپ کا اس قصبے میں بہت اثر و رسوخ ہے۔“

جب میں اٹھنے لگا تو وہ بولا۔ ”اگر تم پولیس کے پاس جاؤ تو میرا نام مت لیتا۔“

میں دروازہ بند کیے بغیر اس کے کمرے سے باہر آ گیا۔ جب اسکول کی چمچی ہوئی تو میں وقت گزاری کے

لیے اسکول کی عمارت میں ٹھیکے لگا کیونکہ سہ ماہیٹ جانے میں کچھ دیر لگی۔ میں گھومتا پھرتا آٹو شاپ کی طرف چلا گیا۔ وہاں ڈیوی اور اس کے ساتھی پہلے سے موجود تھے۔ ساؤنڈ سسٹم پر میوزک چل رہا تھا اور ڈیوی نو اسموٹنگ کے بورڈ کے پاس کھڑا سگریٹ پی رہا تھا۔

وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا اور سگریٹ کا طویل کش لیتے ہوئے بولا۔ ”یہ میری محبوبہ کا بڑا بھائی ہے۔ تمہارا چچو؟“  
کہاں ہے بڑے بھائی؟“

میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ ”کارا کا چچا چھوڑ دو۔“

اس نے ایک اور کش لیا اور میرے منہ پر دھواں چھوڑتے ہوئے بولا۔ ”کیوں چھوڑ دو؟ وہ بہت خوب صورت ہے اور.....“

میں اس کے اور قریب ہو گیا۔ شاید اس نے میرے چہرے پر چھائی ہوئی وحشت دیکھ لی تھی یا پھر اس کا رد عمل بے ساختہ تھا۔ اس نے سگریٹ چھینک دیا اور دونوں ہاتھوں سے مجھے دھکا دیا۔ میں پیچھے کی طرف گرا لیکن فوراً ہی پلٹ کر اس پر جھپٹا۔ میرا بازو فضا میں بندھ ہوا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے میرا در روکا اور مجھے زمین پر پٹخ دیا۔ میری ناک اور رخسار کی ہڈی پر چوٹ آئی اور سر کے پچھلے حصے میں دھماکے ہونے لگے۔ ڈیوی نے میری طرف دیکھا اور بولا۔

”میں نے کہا تھا کہ تمہاری بہن بہت خوب صورت ہے اور وہ میری ہے، جب تک میں کسی اور کے بارے میں نہ سوچوں۔ اب تم یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ اس سے پہلے کہ میں واپسی پاگل ہو جاؤں۔“

میں زخمی حالت میں وہاں تک پہنچا جہاں سائیکل کھڑی کر کے گیا تھا۔ سائیکل اپنی جگہ موجود تھی لیکن اس کے دونوں نائزکٹ پٹکے تھے۔ ریم مزگیا تھا اور باقیہ حصوں کو بھی ہتھوڑے مار کر تارہ تارہ بنا دیا گیا تھا۔

اس روز مارکیٹ میں زیادہ رش نہیں تھا۔ جب منبر نے میرا چہرہ دیکھا تو اس نے فوراً ہی مجھے اپنا ہتھیار دیا جو سڑک پار کر کے سہ ماہیٹ کے سامنے ایک آبادی میں تھا۔ وہاں سے بچے اور عورتیں ہماری سہ ماہیٹ میں خریداری کے لیے آتے اور فرائی میں سامان رکھ کر لے جاتے پھر ہم میں سے کوئی ایک سڑک پار کر کے جاتا اور خالی فرالیاں واپس لے آتا۔

اس روز بھی میں نے چھ فرالیاں آنکھی کیں اور انہیں واپس لے جانے لگا۔ میری ناک اور رخسار کی ہڈی میں ابھی

درد ہو رہا تھا اور مجھے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ میں جس جگہ کھڑا ہوا تھا، وہ ایک کھیل کا میدان تھا۔ اس کے دوسری طرف ایک پینڈنٹ تھی جو جھیل کی طرف پارہی تھی۔ میں نے ایک بار پھر ہمت پکڑی اور فرالیاں کو ہاتھ پلازما کی جانب دھکیلتا شروع کر دیا۔ سڑک پر سے لوہے گزر رہا تھا اس لیے مجھے رکنا پڑ گیا بھی میری نظر سڑک کے آخر میں لگے ہوئے ایک نیون سائن پر گئی۔ اس پر لکھا ہوا تھا..... ”کولن لیکوڑز۔“

جب میری شفٹ ختم ہوئی تو میں پیدل چلا ہوا اس پہون سائن تک پہنچا۔ میں نے دروازے پر کئی گھنٹی بجائی تو ایک محترم آواز سنائی دی اور دروازہ کھل گیا۔ اندر دیواروں پر لگے شیف میں شراب کی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں اور ایک لاکا کاؤنٹر پر بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ اس نے مجھے غور سے دیکھا اور بولا۔ ”تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟ قالوٹا نا بالغوں کو شراب پینا جرم ہے۔“

میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ میں نے ہشمل کام خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

”مجھے مسٹر کولن سے ملنا ہے۔“  
وہ طنز پر انداز میں بولا۔ ”تم اسکول کے اخبار یا ایئر بک کے لیے اشتہار لینے آئے ہو تو ہمیں ناکامی ہوگی اور اگر مسٹر کولن نے اشتہار دے بھی دیا تو تمہارا پرکیل اسے لے لے گی اجازت نہیں دے گا۔“

”نہیں۔“ میں نے جلدی سے کہا۔ ”میں اس سے اس کے بیٹے ڈیوی کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔“  
اس کی آنکھیں مسکرائیں اور وہ بولا۔ ”میں مسٹر کولن کے لیے کام کرتا ہوں۔ تم وہ بات مجھ سے بھی کر سکتے ہو۔“

میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”نہیں۔ مجھے مسٹر کولن سے ہی ملنا ہے۔“

اس نے مجھے غور سے دیکھا اور غنڈی سانس بھرتے ہوئے بولا۔ ”ٹھیک ہے لڑکے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم جگہ کر رہے ہو۔ آؤ میرے ساتھ۔“

وہ مجھے لے کر سیاہ پردے کے پیچھے اسٹور میں لے گیا جہاں شراب کے باکس اوپر تلے رکھے ہوئے تھے۔ باکس لے کر بائیں جانب بٹے ہوئے لکڑی کے دروازے پر ہارونک دی اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

”رحمت دینے کی معافی چاہتا ہوں لیکن میرے

## تلف

ایک احمق شخص گوتم بدھ کے پاس پہنچا اور انہیں برا بھلا کہنے لگا۔ گوتم بدھ نے بڑی خاموشی اور غصے کے ساتھ اس کی گالیاں سننے کے بعد کہا۔ ”میرے بیٹے! مجھے ایک بات تو بتاؤ کہ اگر تم کسی شخص کی خدمت میں تھوڑے کر پتھو اور وہ تمہارے اصرار کے باوجود اسے قبول نہ کرے تو اس شخص کا کیا کون ہوگا؟“

اس شخص نے جواب دیا۔ ”اس کا مالک تھو لانا والا ہی ہوگا۔“

گوتم بدھ نے جواب دیا۔ ”جیسا! میں تمہاری گالیوں کی سوغات قبول نہیں کر سکتا تم اسے اپنے پاس ہی رکھو۔“

مرسلہ: بشیر علی، لاہور

ساتھ یہ لڑکا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ تم سے ڈیوی کے بارے میں کچھ بات کرنا چاہتا ہے۔“

کمرے میں ایک آواز سنائی دی اور وہ شخص میرا بازو پکڑ کر ایک چھوٹے سے دفتر میں لے گیا۔ دیوار میں نصب کتابوں کی لماری میں تاریکی کی کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ کمرے میں ایک ہی کھڑکی تھی جس سے پارکنگ لائٹ نظر آ رہی تھی۔ کمرے کے وسط میں ایک بڑی سی لکڑی کی میز رکھی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ دو کرسیاں تھیں۔ ایک پر نوجوان لڑکی اور دوسری پر بیٹریک کولن بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے سیاہی شرٹ پہن کر رکھی تھی اور وہ میری طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

”تم کون ہو؟“ اس نے پوچھا۔  
”میرا نام ہینک کیلر ہے۔“

”کیا مسئلہ ہے؟ کیا ڈیوی تمہارے پیسے چار رہا ہے یا تمہارے لاکر کی تلاشی لے رہا ہے؟ تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ اس نے تمہاری پٹائی بھی کی ہے اور تم اس کی شکایت لے کر آئے ہو۔“

”نہیں۔“ میں نے کہا۔ ”تمہارا لاکر میری بہن کا رہا ہے۔“  
”میں اسے روکنا چاہتا ہوں۔ وہ اسے مارتا بھی ہے۔“  
وہ منہ بناتے ہوئے بولا۔ ”تم کہہ رہے ہو کہ میرا بیٹا لڑکیوں کو مارتا ہے۔ تمہارے پاس کوئی ثبوت یا گواہ ہے؟“

میں نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ بولا۔ ”تمہارا باپ



وہ نام میں مارا گیا تھا۔ کیا میں بھی کبہ رہا ہوں؟“

”ہاں۔“  
”اگر اس میں ذرا سی بھی عقل ہوتی تو وہ وہاں نہ جاتا۔“ وہ ساٹ لہجے میں بولا۔ ”ظاہر ہے کہ تمہارا دماغ بھی اس جیسا ہی ہوگا۔“

”دیکھو۔ میری بات سنو۔“  
اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ دوسرے ہاتھ سے دروازہ کھولی۔ اس میں سے ایک ٹیپ کا رول، ایک پلاس اور ایک چاقو نکلا۔

”میں تمہیں یہ چیزیں اس لیے دکھا رہا ہوں کہ تم پولیس کے پاس میری شکایت نہ کرنے جاؤ کہ میں نے تمہیں دھمکا یا ہے۔“ اس نے ان تینوں چیزوں پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ میرے کارڈ پارک کے اوزار ہیں۔ اگر تم میں ذرا سی بھی عقل ہے تو مجھ جاؤ گے کہ میں کیا کبہ رہا ہوں۔ آئندہ اگر تم یہاں آئے یا میرے بیٹے کو پریشان کیا یا اس کے بارے میں باتیں پھیلائیں کہ وہ تمہاری بہن کو ہراساں کر رہا ہے تو میرا بھائی تمہیں کسی روز رات میں پکڑ کر تمہیں یہاں لے آئے گا۔ پھر ہم تمہیں اپنے تہ خانے میں بند کر دیں گے جہاں سے تم بھی نہیں کس سکو گے۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو؟“

میں حزیہ کچھ نہ کہہ سکا، بس گردن ہلا دی۔  
”شاباش۔ اب یہاں سے دفع ہو جاؤ۔“  
اگلے روز صبح جب میں اپنے کمرے سے باہر آیا تو ماں نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔ ”تمہیں کیا ہوا؟“  
”دروازے سے گھرا گیا تھا۔“

اس کی آنکھیں جھیر آئیں۔ اس نے میری ناک اور گال کو چھوتے ہوئے کہا۔ ”اُدھ، ہینک! تمہیں تو بہت زیادہ چوٹ آئی ہے۔ تم کچھ چھپا رہے ہو؟“

میں نے اسے ٹالنا چاہا لیکن وہ کچھ چکی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ میرے چہرے سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ ”میں کیا کروں۔ کل جب میں نے کارڈ پارک دیکھا تو میں پولیس اسٹیشن گئی تھی لیکن انہوں نے نہ کہا کہ جب تک کارڈ شکایت درج نہ کروائے وہ کچھ نہیں کر سکتے اور تم جانتے ہو کہ وہ ایسا بھی نہیں کرے گی۔“

میں نے اپنے دونوں ہاتھ ملے ہوئے کہا۔ ”مام! میں آئندہ احتیاط کروں گا۔“  
”مجھ سے وہ وعدہ مت کرو جو تم پورا نہیں کر سکتے۔“  
یہ کہہ کر وہ نیچے چلی گئی اور میں اپنے کمرے میں واپس

آ گیا۔

دو دن بعد میرا چہرہ کچھ بہتر ہو گیا۔ اس دوران میں نے بہت کچھ سنا۔ لوگ سرگوشیوں اور اشاروں میں ڈیوٹی اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ انہوں نے کس طرح میری پٹائی کی۔ ایک رات میں اپنے کمرے میں سو رہا تھا کہ چانک میری آنکھ کھل گئی۔ یوں لگا جیسے میں نے کچھ سنا ہے۔ میں بستر سے باہر نکل کر راہداری میں آیا۔ ہاتھ روم کا دروازہ بند تھا۔ میں نے دنگ دی۔ ”کارا۔۔۔۔۔۔“

”جلے جاؤ۔“  
اس کی سسکیوں کی آواز اور تیز ہو گئی۔ میں نے تیز لہجے میں کہا۔ ”کارا! دروازہ کھولو ورنہ میں خود آ جاؤں گا۔“  
میں دس تک گنتی کن رہا ہوں۔  
”تمہاری اتنی ہمت نہیں ہو سکتی۔“  
”ایک دہائی۔۔۔۔۔۔“

دس کدیر میں نے دروازہ کھول دیا۔ کارا ہاتھ غب میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے جسم کے گرد ایک بڑا سا تولیہ لپیٹ رکھا تھا۔ میں اس کے قریب گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ اور سوجھی ہوئی تھیں۔

”کوئی نئی بات؟“ میں نے پوچھا۔

وہ ناک مڑتے ہوئے بولی۔ ”اُدھ ہینک! میں اس کے چنگل سے نہیں کھل سکتی۔ میں اس سے الگ ہونا چاہتی ہوں لیکن وہ مجھے نہیں چھوڑے گا۔ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے کہا کہ وہ مجھے نہیں چھوڑ سکتا۔“

آنسو اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے اور اس کا پورا جسم لرز رہا تھا۔ ”میں کیا کروں ہینک۔۔۔۔۔۔ میں کیا کروں؟ اُدھ مجھے تکلیف پہنچا کر خوش ہوتا ہے۔“

میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ”میں کچھ کرتا ہوں۔“

وہ اپنی ناک اور آنکھیں صاف کرتے ہوئی۔ ”اُدھ ہینک! تم کیا کرو گے؟ تم کیا کر سکتے ہو؟“

میں نے غب میں پڑے ہوئے پانی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں کچھ سوچتا ہوں۔ مجھ پر بھروسہ کرو۔“

اگلے دن میں نے موسم کا حال معلوم کیا۔ بیش کوئی کے مطابق اتوار کو موسم گرم اور مکی کی توقع تھی۔ ایک رات پہلے میں ہیرا رکیت میں دیر تک رکا رہا اور جب گھر آیا تو تھکن کی وجہ سے میرے جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ اتوار کی صبح میں نے نہانے کا لباس پہنا۔ کندھے پر

لال ڈالا اور کار کی سائیکل پر سوار ہو کر جمیل کی طرف چل پڑا۔ صبح سویرے بھی وہاں اچھی خاصی روشنی تھی۔ میڈک ر ہا تھا اور کچھ لڑکے بستر سے اتر کر کھڑے تھے جو وہ کاغذ کی جھلیوں میں چھپا کر لائے تھے۔ میں ایک ٹیپ پر بیٹھ کر کھانا کرنے لگا۔ پچھلے دو لڑکیوں نے روک سے جمیل کی جھانک لگائی۔ دو لڑکے زیادہ بہادر تھے۔ انہوں نے غصے سے لڑنے کے لیے ہشپ کا انتخاب کیا۔ البتہ ان میں سے کوئی اتنا بہادر نہیں تھا جو کنگ پر سے جھانک لگانے کی ہمت کرتا۔

کچھ دیر بعد ڈیوٹی میری بہن کا ہاتھ پکڑے نمودار ہوا۔ کارا کو دیکھ کر کنگ ہاتھ پیچھے اسے زبردستی کھینچا جا رہا ہے۔ ڈیوٹی کے ساتھ تین لڑکے اور بھی تھے۔ ان میں سے ایک نے بڑا سا بیگ اٹھا رکھا تھا۔ چند منٹوں میں وہاں ایک ٹیپ بھاگ دیا گیا۔ وہ اپنے ساتھ ڈیک بھی لائے تھے۔ چند لمحوں میں فضا تیز موسیقی کی آواز سے گونجنے لگی۔ کارا نے ہر طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں مجھے بے بسی اور لاچارگی نظر آئی۔ میرا سینہ جلنے لگا اور ذہن میں ڈیڑی کے لڑکوں کو گنجنے لگے جو انہوں نے محاذ پر جاتے وقت کہے تھے۔ ”میرے بھرتے اس گھر کے سربراہ ہو۔“

میں نے ایک گہرا سانس لیا اور ڈیوٹی کی جانب چل دیا۔ وہ کارا سے کچھ کہہ رہا تھا کہ میں نے کنگ کر ڈیک بند کر دیا۔ ڈیوٹی سمیت وہاں موجود سب لوگ مجھے دیکھنے لگے۔ وہ کچھ کہنے والا تھا کہ اس سے پہلے میں بول پڑا۔ ”بہت طاقتور ہو۔ اس دن تمہاری مچھری دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔“

وہ طنز پر انداز میں بولا۔ ”مجھے خوشی ہے کہ تمہیں اس کا اندازہ ہو گیا۔۔۔۔۔۔ زبردستی چلانے والے۔“

”لہذا میرے بار بار کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم میری بہن کا چھپا چھوڑ دو۔ تم ایک بار پھر مار پیٹ کر مجھے خاموش کر دو گے۔“

”اس میں کیا شک ہے۔“ اس نے کہا۔

”لیکن اس کے باوجود میں چاہتا ہوں کہ تم میری جان بچا چھوڑ دو۔“

”لگتا ہے کہ تم نے اسے اپنے لیے ایک مسئلہ بنالیا۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے۔“ میں نے کہا۔ ”لیکن ہاتھ لگا کر دشمنی پن ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم واقعی اُدھ ہو۔“

اس کی مسکراہٹ رخصت ہو گئی اور وہ جھلاتے ہوئے بولا۔ ”تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟“  
”ہمت۔“ میں نے کہا۔ ”میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم کتنے بہادر ہو؟“

”تم نے مجھ سے زیادہ بہادر نہیں دیکھا ہوگا۔“ وہ اترتے ہوئے بولا۔

”ثابت کرو۔“

اس وقت تک اسکول کے لڑکے اور لڑکیاں ہمارے گرد دائرے کی شکل میں جمع ہو گئے تھے ڈیوٹی غصے میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ ”مجھے کچھ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔“ میرا حلق خشک ہو رہا تھا پھر بھی میں نے ہمت کر کے کہا۔ ”تم نے ابھی ابھی کہا ہے کہ بہت بہادر ہو۔ لہذا اسے ثابت کرو۔“

وہ میرے قریب آ کر بولا۔ ”تمہارے دماغ میں کیا ہے۔۔۔۔۔۔ میں کس طرح ثابت کروں؟“

میں نے تین منٹوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”ہم دونوں کے درمیان جھانک لگانے کا مقابلہ ہوگا۔ ہم روک سے شروع کریں گے۔ اس کے بعد ہشپ پر جائیں گے اور آخری چھانک کنگ سے لگائی جائے گی۔ پہلے میں جاؤں گا اور تم میرے پیچھے آؤ گے۔ اگر میں تینوں جگہ سے جھانک نہ لگا سکا تو پھر تمہارے اور اپنی بہن کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہوں گا لیکن اگر میں نے تینوں جھانک لگا لیں اور تم ناکام رہے تو ہمیشہ کے لیے میری بہن کا چھپا چھوڑ دو گے۔۔۔۔۔۔ بولو مٹھو رہے؟“

اس نے پیچھے ہٹ کر دائیں ہاتھ کا مکا میرے پیٹ پر مارا۔ میرے قدم ٹوٹ کر اتر گئے اور میں کمر کے بل زمین پر گر پڑا۔ ڈیوٹی میرے قریب آ کر بولا۔ ”یہ ڈیل کیسی ہے؟“  
”مجھے معلوم تھا کہ تم یہی کرو گے۔ میں نے کھانتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ تمہیں مایوسی نہیں ہوئی ہوگی؟“

میں نے اپنے ہاتھوں سے منہ جھاڑتے ہوئے کہا۔

”طاقت کا استعمال کوئی بہادری نہیں ہے۔“

ڈیوٹی کی منہیاں ایک بار پھر جھنجھکیں۔ اسی وقت مجھے سے ایک آواز آئی۔ ”آگے بڑھو ڈیوٹی۔ بتا دو کہ تم کتنے بہادر ہو۔“

وہاں موجود سب لوگوں نے تہقیر لگانے شروع کر دیے۔ ایک لڑکی بولی۔ ”تم ہمیشہ اپنی بہادری کے دعوے کرتے ہو۔ آج ہمیں بھی دکھا دو۔“  
کچھ لوگوں نے اس کی ہمت بڑھانے کے لیے



